© rasailojaraid.com

مقصود بعثت

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ

بزرگان محترم! یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں ہیں، جو میں نے اس وقت پڑھی ہیں۔ ان دونوں احادیث میں حضور ﷺ نے اپنی تشریف آوری، بعثت اور اپنی رسالت و نبوت کی غرض و غایت بیان کی ہے کہ مجھے دنیا میں کیوں بھیجا گیا؟۔ اور میں کیوں مبعوث کیا گیا۔؟

تو آپ نے اپنی بعثت کی دو غرضیں ارشاد فرمائیں۔ ایک فرمایا، انما بعثت معلما۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا، بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ میں دنیا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں تا کہ تعلیم دوں اور دوسری حدیث میں فرمایا میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تا کہ پاکیزہ اخلاق کو مکمل بنا کے پیش کروں۔ دنیا کے اخلاق کی تکمیل کروں اور دنیا کو خلیق بنا دوں۔ پہلی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ دنیا کو عالم بنا دوں اور دوسری حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ دنیا کو با اخلاق بنا دوں۔

غرض آپ تعلیم اور تربیت کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ تعلیم کے ذریعے علم پھیلتا ہے اور تربیت کے ذریعے اخلاق درست ہوتے ہیں۔ تو حضور ﷺ کی تشریف آوری کی دو غرضیں ہوئیں۔ ایک علم پہنچانا اور ایک اخلاق درست کرنا۔ اس کے بغیر دنیا کی کوئی قوم نہ باقی رہ سکتی ہے نہ ترقی کر سکتی ہے۔

اگر ایک شخص عالم ہے اور اس کا بہت بڑا علم ہے۔ لیکن بد اخلاق ہے، تو اس کا علم کبھی مؤثر نہیں ہوگا، وہ دوسروں کو فائدہ کبھی نہیں پہنچا سکتا اور اگر بہت با اخلاق ہے، نیک خلق ہے، لیکن جاہل ہے، تو محض اخلاق سے وہ دنیا کو تربیت نہیں دے سکتا۔

انسان کی ذات میں علم نہیں ہے علم انسان کی ذات میں نہیں ہے، وہ باہر سے لایا جاتا ہے۔ اخلاق اندر موجود ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن انہیں درست کیا جاتا ہے۔ تو ایک چیز انسان کے گھر کی ہے، اس کی اصلاح کی جاتی ہے اور ایک چیز سرے سے نہیں ہے۔ اس کو انسان کے اندر ڈالا جاتا ہے۔ تو خلقی طور پر انسان جاہل پیدا ہوا ہے۔ اس میں کوئی علم نہیں تھا۔ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ.

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا اور نکالا۔ کس حالت میں؟ ذرہ برابر تمہیں علم نہیں تھا۔ جاہل مطلق پیدا ہوئے تھے۔ نہ سیاہ و سفید کی تمیز تھی نہ اچھے برے میں امتیاز تھا نہ حلال وحرام کا پتہ تھا۔ بالکل جاہل مطلق تھے۔ ماں کے پیٹ سے کوئی ہنر لے کر نہیں آئے اللہ نے اپنا فضل کیا۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ۔ تم میں سننے کی طاقت رکھی، دیکھنے کی طاقت رکھی، سمجھنے اور بوجھنے کی طاقت رکھی کہ کچھ معلومات تم سن کر حاصل کرتے تھے۔ کچھ دیکھ کر اور کچھ سنی ہوئی اور دیکھی ہوئی چیزوں میں غور وفکر کر کے علم نکالتے تھے۔ اللہ نے یہ طاقتیں تمہارے اندر رکھیں تاکہ علم پیدا کرو، علم کے اندر آؤ۔ علم بھی تمہارے اندر گھسے۔

اس آیت سے معلوم ہوا، انسان کی ذات میں علم نہیں ہے۔ خالی ہے۔ مگر ہاں صلاحیت ہے کہ اگر علم سیکھنا چاہے تو علم آسکتا ہے۔ اسی لئے انسان کو جاہل کہا گیا ہے۔ جاہل اسے کہتے ہیں جو علم نہ رکھتا ہو، مگر علم لینے کی اس میں صلاحیت ہو۔ اس دیوار کو ہم جاہل نہیں کہیں گے۔ اس لئے کہ اس میں عالم بننے کی صلاحیت ہی نہیں۔ اس لاؤڈ اسپیکر کو ہم جاہل نہیں کہیں گے، اس لئے کہ یہ عالم بن ہی نہیں سکتا یہ شامیانہ اور زمین و آسمان جاہل نہیں ہیں، کیونکہ ان میں عالم بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ انسان ہی کو جاہل کہا جائے گا، کیونکہ اس میں عالم ہونے کی صلاحیت ہے، اس میں استعداد موجود ہے۔

تعدیل اخلاق بلا علم ممکن نہیں اسی طرح انسان کے اندر اخلاق تو ہیں، مگر جب تک اس میں علم نہیں ہے وہ معتدل اخلاق نہیں ہیں بلکہ انسان ایک کنارے پر رہتا ہے یا دوسرے کنارے پر جب تک علم نہیں آتا وہ درمیان میں اعتدال پر نہیں ہے۔ افراط اور تفریط کے لئے جہالت کی ضرورت ہوتی ہے۔ علم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن عدل اخلاق کے لئے ان کو معتدل بنانے کے لئے علم کی ضرورت ہے۔

مثلاً صبر ایک خلق ہے، تو صبر کا ایک کنارہ جزع فزع ہے کہ جب کوئی مصیبت پیش آئے تو آپے سے باہر ہو جائے، گریبان پھاڑ دے، بال نوچ ڈالے، رخسارے پیٹ ڈالے، منہ نوچ لے۔ یہ خلق صبر کا ایک کنارہ ہے یعنی انتہائی بے صبری اور دوسرا کنارہ یہ ہے کہ کتنی ہی مصیبتیں آئیں، کوئی اثر ہی نہ ہو۔ اس کے اندر سرد مہری ہو کہ کوئی فوت ہو جائے تو اس کی آنکھ سے آنسو ہی نہ نکلے، دل میں غم تک نہ آئے، جیسے اپنے کام میں لگ رہا تھا، لگا رہے۔ پتھر کی مانند ہو جائے، اس کی طبیعت میں کوئی اثر نہ ہو۔ تو ایک کنارہ جزع فزع ہے کہ اتنا بے صبر بن جائے کہ آپے سے باہر نکل جائے، ایک کنارہ سرد مہری کا ہے کہ اس پر کوئی اثر ہی نہ ہو۔ وہ بھی صبر نہیں، یہ بھی نہیں۔ صبر درمیان میں ہے کہ اثر تو لے، مگر حدود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اندر رہے، آپے سے باہر نہ ہو، اسے صبر کہیں گے۔ تو نہ جزع فزع صبر ہے نہ سرد مہری صبر ہے۔ بیچ کا درجہ صبر ہے کہ حدود کے اندر رہے اور حدود جب تک معلوم نہ ہوں، صبر نہیں کر سکتا۔ اخلاق کے لئے علم کی ضرورت پڑی۔ اگر حدود کا علم نہ ہو آدمی صابر نہیں بن سکتا، لیکن افراط وتفریط یعنی رخسار یں پیٹنا، منہ نوچ ڈالنا، آپے سے باہر ہونا، اس کے لئے کسی علم کی ضرورت نہیں، جہالت کی ضرورت ہے۔ جتنا ہی جاہل ہوگا، اتنا ہی بے صبراپن بھی ہوگا، اتنا ہی ماتم نوحہ کرے گا، بین کر کے روئے گا۔ اس لئے کہ اسے حدود کا علم ہی نہیں اور بالکل اثر نہ لے، کتنی ہی موتیں ہو جائیں، کتنے ہی غم آجائیں، اسے فکر ہی نہیں۔ یہ بے فکرا ہے، تو بے فکری کے لئے بھی علم کی ضرورت نہیں۔ اس کے لئے جہالت کافی ہے، لیکن صبر بھی کرے اور حد کے اندر رہے۔ اس کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام آئے ہیں تا کہ اخلاق کے اندر درمیانہ راستہ بتلائیں۔

خلق صبر کی حقیقت مثلاً حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا **وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون.** اے ابراہیم! تمہاری جدائی اور فراق سے ہم غمزدہ ہیں، ہمارا دل متاثر ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہﷺ! آپ تو فرماتے تھے کہ صبر کرنا چاہئے، حالانکہ آپ رو رہے ہیں۔ فرمایا، رونا قلب کی رحمت کی علامت ہے۔ میں نے جو کہا تھا صبر کرو، اس کا مطلب یہ تھا کہ بین کر کے مت رو۔ نوحے مت کرو، ماتم مت کرو، رخسار یں مت پیٹو، گریبان مت چاک کرو۔ اس لئے کہ یہ بے صبری ہے۔ یہ حق تعالیٰ پر بے اعتمادی کا اظہار ہے کہ معاذ اللہ آپ نے یہ فعل ٹھیک نہیں کیا کہ فلاں کو موت دے دی۔ میں آپے سے باہر ہوں۔ تو میں نے حق تعالیٰ پر بے اعتمادی کے اظہار سے روکا تھا۔ اس سے نہیں روکا تھا کہ تم آنسو مت نکالو۔ تمہارے دل میں بھی شفقت نہ آئے۔ یہ تو رحمت کی علامت ہے۔ جس مومن کے قلب میں رحمت نہ ہو اس میں ایمان ہی کہاں ہوں؟

حدیث میں فرمایا گیا کہ ایک شخص حاضر ہوا۔ اور زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ لوگ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ سنکڑوں بچیاں زندہ دفن کر دیں، اس عار میں کہ ہم کسی کے سسر نہ کہلوائیں، کوئی ہمارا داماد نہ کہلوائے۔ وہ شخص آیا، اسلام ں کیا۔ کسی نے کسی کی موت کی خبر دی۔ تو حضورﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس شخص نے کہا، یارسول اللہﷺ! آپؐ تے ہیں۔ میں نے تو اپنی گیارہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا ہے اور وہ چلاتی رہیں۔ اے باپ، پکارتی رہیں، مجھے ذرا بھی ۔م نہ آیا۔ آپؐ نے منہ پھیر لیا۔ فرمایا، تیرے اندر دل ہے یا پتھر ہے؟ یہ قساوت قلب کی بات تھی۔ مومن اور انسان وہ ہے جس کے اوپر غم کا اثر ہو، جو اثر قبول نہ کرے وہ دل نہیں، وہ پتھر ہے۔

تو نبیﷺ نے تعلیم دی کہ صابر بنو اور صابر بننا کسے کہتے ہیں کہ غم کا اظہار بھی کرو مگر حدود سے مت گزرو۔ یہ جبھی ہوگا جب حدود کا علم ہوگا کہ کہاں تک ہمیں رونا جائز ہے، کہاں تک جائز نہیں ہے۔ کہاں تک غم کرنا جائز ہے، کہاں تک جائز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہے۔ تو جائز و ناجائز کی حدود بتلانا یہ تعلیم ہے۔ غرض اخلاق درست نہیں ہو سکتے جب تک علم نہ آئے۔

حقیقت تواضع اسی طرح تمام اخلاق ہیں۔ مثلاً تواضع ہے، اس کا ایک کنارہ تو تکبر ہے کہ آدمی فرعون بن جائے، بڑے بول بولے، اکڑ کر اینٹھ کر چلے۔ دوسرا کنارہ یہ ہے کہ ذلت نفس پیدا ہو جائے۔ بس ہر کس و ناکس کے آگے جھکتا پھرے۔ یہ بھی تواضع نہیں، وہ بھی تواضع نہیں۔ وہ دونوں کنارے ہیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ بیچ میں تواضع ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل بھی نہ بنائے اور متکبر بھی نہ بنائے۔ ذلت بھی نہ ہو یعنی وقار ہو۔ تکبر بھی نہ ہو یعنی تواضع ہو۔ یعنی اللہ کی خاطر اور اللہ کے سامنے جھکے۔ کسی بڑے کی تعظیم کرے تو "لوجہ اللہ" کرے۔ خوشامد اور غرض مندی سے نہ کرے خوشامد اور غرض مندی سے جو تعظیم کرے گا وہ تواضع نہیں ہوگی، نہ ذلت نفس جائز دونوں کے بیچ میں تواضع ہے مگر تواضع کے لئے حد کی ضرورت تھی کہ اس حد تک جھکو، اس حد تک مت جھکو اور یہ حدوں کا معلوم ہونا بغیر تعلیم اور انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کے نہیں ہوتا۔

مثلاً سلام کرنا ہے یہ مسلمان کا حق رکھا گیا ہے کہ اسے سلام کرے، لیکن سلام کرنے میں اگر جھک جائے اور اتنا جھکے کہ رکوع کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اس لئے کہ رکوع یہ عبادت کا جز ہے اور غیر اللہ کی عبادت نہیں کی جاتی۔ غیر اللہ کے آگے اتنا جھکنا جائز نہیں ہے کہ عبادت کی صورت پیدا ہو جائے۔ سجدہ کرنا عبادت ہے۔ غیر اللہ کے آگے سجدہ کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ عبادت خدا کے لئے مخصوص ہے۔ بندوں کے لئے عبادت نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے اگر میں غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو بیویوں کو حکم دیتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کرو۔ مگر اللہ کے سوا کسی کے لئے سجدہ جائز نہیں اس لئے میں نے روک دیا۔

حدیث میں ہے کہ ایک صحابیؓ دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آ کر سجدہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ کیا حرکت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے قیصر اور کسریٰ کا دربار دیکھا وہ بادشاہ اپنے آگے سجدہ کراتے ہیں، وزراء سجدہ کرتے ہیں، ان کی رعیت کے لوگ سجدہ کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ! قیصر اور کسریٰ سجدہ کرائیں تو اللہ کے رسول بہت باعظمت ہیں، "خلق اللہ" میں سب سے زیادہ بلند ہیں۔ آپ زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔

آپ نے فرمایا کہ خبردار آئندہ ایسا مت کہنا۔ سجدہ صرف اللہ کے لئے زیبا ہے۔ کسی کے لئے سجدہ جائز نہیں۔ اگر غیر اللہ کے لئے سجدہ جائز ہوتا تو میں بیویوں کو حکم دیتا کہ وہ خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ تو رکوع و سجود کرنا اور جو بھی عبادت کی چیزیں ہیں، وہ غیر اللہ کے لئے حرام اور ناجائز ہیں۔ اس لئے جو ہیئت عبادت کے قریب بھی آ جائے وہ بھی ممنوع قرار دی گئی۔ تو مخلوق کے آگے ذلیل النفس بننا جائز نہیں ہے اور ایک ہے تکبر کہ مخلوق کے اوپر آدمی اپنی بڑائی جتلانے لگے یہ بھی ممنوع ہے۔ یعنی تکبر بھی ممنوع اور تذلل بھی ممنوع۔ ذلیل بننا بھی جائز نہیں۔ متکبر بننا بھی جائز نہیں۔ ان دونوں کے درمیان میں تواضع ہے۔ تو آدمی جھکے مگر "لوجہ اللہ" جھکے اور اتنا نہ جھکے جس سے عبادت کی شان پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جائے۔ انہی حدود کے بتلانے کے لئے نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔

اتباع شریعت اس سے معلوم ہوا نہ ہم تکبر میں آزاد ہیں نہ تواضع اور وقار میں آزاد ہیں۔ ہم شریعت کی تعلیم کے پابند ہیں۔ وہ جتنا ہمیں جھکا دے گی، اتنا جھک جائیں گے۔ جتنا کہے گی گردن اونچی کرلو، ہم گردن اونچی کرلیں گے۔ جتنا کہے گی ذلت اختیار کرو ہم ذلت اختیار کرلیں گے جہاں کہے گی یہاں بڑائی کی صورت بنالو، ہم بڑائی کی صورت بنالیں گے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ لَاتَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحاً.

اے بندو! خدا کی زمین پر اکڑ کر مت چلو۔ مونڈھے ہلا کے، چھاتی ابھار کر متکبروں کی چال مت چلو۔ تم دنیا میں بندگی کرنے کے لئے آئے ہو، خدائی کرنے کے لئے نہیں آئے۔ خدائی کے لئے ایک خدا کی ذات کافی ہے۔ جب ہم بندے ہیں تو بندگی کی چال چلیں۔

اور فرمایا گیا کہ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً تم جو اکڑ کر چل رہے ہو تو زمین کو پھاڑ نہیں ڈالو گے اور پہاڑوں کی بلندیوں کو نہیں پہنچو گے۔ اتنی جگہ میں رہو جتنی جگہ میں ہو۔ کیوں خوامخواہ مصیبت بھر رہے ہو؟ کیوں اپنے نفس کو تعب میں ڈال رہے ہو؟ اس لئے روک دیا گیا کہ اکڑ کر مت چلو تو دین یہی ہے کہ آدمی اس کے حکم کو مان کر چلے۔ لیکن اگر یہ کہیں کہ اکڑ کر چلو تو ہم سو دفعہ اکڑ کر چلیں گے۔ اس لئے کہ ہم حکم بردار بندے ہیں۔ فرمایا گیا جس طواف میں طواف کے بعد سعی ہو تو ابتداء کے چار پھیروں میں اکڑ کر چلے، سینہ ابھار کر مونڈھے ہلاتا ہوا، پہلوانوں کی طرح چلے۔ تو یہاں اس طرح چلنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ اگر نہیں چلے گا تو گنہگار ہوگا اور عام اوقات میں اکڑ کر چلنے کی ممانعت ہے۔ اگر چلے گا تو گنہگار ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو حکم بردار رہنا چاہئے۔ جو شریعت حکم دے، اس کی اتباع کرے۔ اگر کہے کہ اکڑو تو اکڑ لے۔ اگر کہے کہ جھک جاؤ تو جھک جائے۔ اسلام کے یہی معنی ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدود بتلانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ مادے انسان میں موجود ہیں، ان کی قدریں بتلانے کے لئے آئے کہ یہ قدر اختیار کرو۔

اسلام نے اخلاقی جواہر کو باقی رکھا ہے انسان میں تکبر کا مادہ بھی ہے اور تذلل کا مادہ بھی ہے۔ ذلیل بننے کا بھی ہے، ابھرنے اور اکڑنے کا بھی ہے۔ شریعت نے کسی مادے کو ضائع نہیں کیا، بلکہ کہا کہ باقی رکھو اور جہاں ہم بتلائیں وہاں استعمال کرو۔ تکبر کا مادہ بھی کام آئے گا کہ جب کفار کے مقابلہ پر جاؤ تو خوب اکڑ کر پہلوانوں کی سی ہیئت بناؤ تا کہ ان کے اوپر رعب پڑے اور جب ایمان والوں کے سامنے آؤ تو جھک کر چلو تا کہ تمہاری رحیمی اور کریم النفسی واضح ہو۔ تو دونوں مادوں کو باقی رکھا، ضائع نہیں کیا۔ ٹھکانہ اور مصرف بتلا دیا کہ اس طرح سے استعمال کرو۔ تو اسلام اس لئے نہیں آیا ہے کہ کسی مادے کو ضائع کردے۔ جو اللہ نے پیدا کیا اور خلقی طور پر رکھا ہے، اسے کھو دے، بلکہ ٹھکانے لگانے کے لئے آیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً غصہ ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ بعض صحابہؓ نے عرض کیا:

عظنی یا رسول اللہ واوجز. یارسول اللہ! کچھ وعظ فرمایئے مگر مختصر۔ فرمایا، ایاک والغضب ۔ وعظ ختم ہوگیا۔ لوگو! غصے سے بچتے رہنا۔

اس لئے کہ غصے میں سے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جتنے جذبات بھڑکتے ہیں، اتنا ہی فتنہ پھیلتا ہے۔ جب جذبات میں کوئی آپے سے باہر ہوگا، لڑائی ہو جائے گی اور قرآن کریم نے فرمایا: یآ اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ. ''اے پیغمبر! کفار اور منافقین کے مقابلہ میں جہاد کرو اور شدت اور غیظ و غضب ان کے مقابلہ میں دکھلاؤ''۔

یہاں غیظ و غضب اختیار کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ تو شریعت اس لیئے آئی ہے کہ غصے کو باقی رکھو مگر ٹھکانے پر استعمال کرو۔ جہاں ہم بتلائیں وہاں استعمال کرو، جہاں ہم روکیں وہاں رک جاؤ۔ یہ ہمارے بخشے ہوئے جوہر ہیں۔ تمہیں حق نہیں ہے کہ تم انہیں کھودو یا نکال دو۔

اسی طرح شہوت کا مادہ رکھا۔ شریعت اس لئے نہیں آئی کہ اس کو کھودو۔ اگر کھودی گئی تو نسل کیسے چلے گی؟۔ مگر یہ فرمایا کہ اس شہوت کو زنا میں مت استعمال کرو، نکاح میں استعمال کرو۔ تو مصرف اور ٹھکانہ بتلادیا کہ اس طرح استعمال کرو۔

اخلاقی جواہر میں انسان امین ہے حاصل یہ نکلا کہ انسان میں اللہ نے جو ہر اور مادے پیدا کیئے۔ مگر یہ اس کی دی ہوئی امانتیں ہیں۔ انسان ان مادوں میں امین ہے۔ اسے یہ حق نہیں ہے کہ اپنے اختیار و ارادے اور اپنی تجویز سے استعمال کرے۔ جس کی دی ہوئی امانت ہے اسی کی تجویز معتبر ہوگی۔ اسی کے کہنے کے مطابق استعمال کرنا پڑے گا۔

اگر آپ کے پاس کوئی شخص روپیہ امانت رکھوادے تو آپ کو استعمال جائز نہیں جب تک کہ وہ اجازت نہ دے۔ اور اجازت دینے والا جو مالک ہے، اگر وہ یوں کہے کہ تم استعمال کرسکتے ہو مگر فلاں چیز میں، مکان خرید سکتے ہو، دوسری جگہ میں اجازت نہیں دیتا۔ جہاں اجازت دے، وہیں استعمال کریں گے اگر وہ استعمال سے روک دے تو آپ کو کوئی حق نہیں۔ مسئلہ یہی ہے کہ امانت جب رکھوائی جاتی ہے تو اس اصل امانت ہی کا واپس کرنا واجب ہے۔ یعنی مثلاً آپ کے پاس سو روپیہ رکھوایا، تو جو روپیہ رکھوایا ہے، وہ بعینہ واپس کرنا پڑے گا۔ یہ نہیں ہے کہ آپ نے خرچ کرکے سو اس کی جگہ رکھ دیئے۔ یہ جائز نہیں ہے۔ تو امانت میں عین کا واپس کرنا واجب ہے۔ اگر آپ خرچ کریں گے تو مالک سے اجازت لینی پڑے گی۔ وہ اجازت دے گا کہ تم خرچ کرسکتے ہو۔ جب میں مانگوں واپس کردینا۔ اس وقت عین کو بدلا جائے ورنہ اس کی جگہ آپ کوئی دوسری چیز دے دیں یہ آپ کے لئے ناجائز ہے۔

غرض یہ بدن، روح، قوتیں اور مادے ان سب کے مالک حق تعالیٰ شانہ ہیں۔ آپ نہیں ہیں۔ اگر آپ ہوتے تو خود بنے بنائے موجود ہوتے۔ پھر اس کی کیا ضرورت تھی کہ اللہ میاں آپ کو بنائیں جب آپ وجود میں ان کے محتاج ہیں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالک وہ ہیں۔ جب وہ مالک بدن ہیں اور بدن میں جتنے جوہر ہیں ان کے بھی، روح میں جتنے ملکات اور قوتیں رکھی ہیں، ان کے بھی، سب کے مالک وہ ہیں تو آپ کو ان کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ جب تک ان سے اجازت نہ لیں اور جہاں کی وہ اجازت دے دیں وہیں استعمال کریں۔ جب وہ مانگیں گے تو بعینہ اسی طرح واپس کرنا پڑے گا۔ یہ جائز نہیں ہوگا کہ آپ یوں کہیں کہ صاحب! وہ بدن تو میں نے استعمال کرلیا۔ میں نے خودکشی کرلی تھی، اب آپ دوسرا بدن بنا لیں۔ اسی بدن کو واپس کرنا پڑے گا۔

اس واسطے خودکشی کو حرام قرار دیا گیا، یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سرکاری مشین ہے۔ آپ کو کیا حق ہے کہ آپ اس کو کھودیں؟ یا خراب کردیں؟ آپ امانت دار ہیں۔ بعینہ آپ کو واپس کرنا پڑے گا۔ جب ملک الموت آئیں تو سپرد کردینا پڑے گا کہ روح بھی حاضر ہے، نفس بھی حاضر ہے اور یہ بدن بھی حاضر ہے۔ اس لئے کہ کوئی چیز میری نہیں ہے۔ تو جب اصل روح، بدن اور نفس کے بھی آپ مالک نہیں ہیں، تو ان کے افعال کے آپ کیسے مالک ہوجائیں گے؟ اور جو ان کے اندر مادے اور جوہر رکھے ہوئے ہیں، ان کے مالک آپ کب ہوں گے؟ ان کے مالک بھی حق تعالیٰ ہیں۔

غرض آپ کے نفس میں شہوت کی قوت رکھ دی، غصہ اور غضب کی قوت رکھ دی، تواضع اور جھکنے کی قوت رکھ دی، اکڑنے اور اینٹھنے کی قوت رکھ دی، امانتداری کی قوت رکھ دی اور اس کی کہ دوسروں سے چھین جھپٹ کرو۔ یہ سارے مادے ہیں۔ آپ کو اجازت لینی پڑے گی کہ کہاں کہاں استعمال کروں۔ شہوت و غضب کو کہاں؟ امانت داری اور چھین جھپٹ کے مادے کو کہاں استعمال کروں؟

انسانی جواہر میں تجویز شریعت کا اعتبار ہے وہ اجازت دیں گے کہ شہوت کے مادے کو استعمال کرسکتے ہو، مگر نکاح کے ذریعے سے جائز مصرف میں۔ پھر تجویز بھی شریعت ہی بتلائے گی کہ نکاح بھی اگر کرو، تو ماں سے جائز نہیں، بہن سے جائز نہیں، پھوپھی سے جائز نہیں۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ.

''تم پر تمہاری مائیں حرام کردی گئیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری حقیقی بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری حقیقی بھتیجیاں، تمہاری حقیقی بھانجیاں۔ یہ تم پر حرام کی گئیں الخ''۔

جس وقت شریعت نے اجازت دی کہ اس شہوت کو نکاح کے ذریعے استعمال کرو، تو ساتھ ہی مصرف بھی بتلایا کہ فلاں فلاں جگہ نکاح مت کرنا، ورنہ نکاح نہیں ہوگا۔ جہاں شریعت بتلائے گی وہیں آپ نکاح کرسکو گے۔

اسی طرح غصے اور غضب کی قوت ہے۔ آپ اس میں مختار نہیں ہیں کہ جس پہ آپ چاہیں اکڑفوں دکھانے لگیں۔ جس پہ چاہیں غصہ کرنے لگیں۔ آپ کو شریعت سے مشورہ کرنا ہوگا کہ میں غصے کو کہاں استعمال کروں؟ چنانچہ باپ کے مقابلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یہ جائز نہیں کہ آپ غصہ دکھلائیں۔ وہاں فرمادیا گیا ہے۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔

ماں باپ جب آئیں تو نیاز مندی کے ساتھ گردن جھکا دو، عجز و نیاز کے ساتھ ان کے سامنے جھکو اور محض جھکنا ہی نہیں، بلکہ زبان سے کوئی کلمہ ایسا مت نکالو جس سے ان کا دل دکھے یا ان کا دل پکڑا جائے۔ ایسا کلمہ نکالنا جائز نہیں۔

اور پھر یہی نہیں یہ تو اسی وقت کیا جائے گا، جب ماں باپ سامنے ہوں گے کہ ادب سے جھکیں گے بھی اور کلمہ بھی ادب سے کہیں گے۔ غائبانہ بھی ہوں تو اس وقت بھی ان کا ادب و عظمت کرو۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔

اے اللہ! میرے ان ماں باپ پر رحم فرما، جیسے انہوں نے میرے بچپن میں مجھ پر رحم کیا۔ مجھے اتنے سے اتنا بنایا۔ اس وقت جب میں عاجز اور بے بس تھا، ان کے رحم و کرم پر پل کر آج میں اس قابل ہوا کہ چل پھر کر میں اپنا کام کاج کر سکوں۔ تو جنہوں نے مجھے اس قابل بنایا، بے کسی کی حالت میں مجھ پر رحم کھایا۔ اے اللہ! تو ان کی بے کسی کی حالت میں ان پر رحم کھا۔ تو غائبانہ بھی دعا کرو۔ سامنے آؤ تو برا کلمہ مت کہو، عمل ایسا مت کرو جس سے ان کا دل دکھے۔

تو فرمایا کہ یہ تکبر و بڑائی اور غصے کا اظہار، اس کا مصرف ماں باپ نہیں ہیں۔ اس طرح استاذ ہو، اس کے سامنے جائز نہیں کہ آپ اکڑیں یا اینٹھیں یا کبر و نخوت دکھائیں۔ عظمت استاذ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انا عبد من علمني حرفا، ان شاء باع وان شاء عتق. ”میں اس کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف بھی تعلیم دی۔ چاہے وہ مجھے بیچ دے، چاہے مجھے آزاد کر دے“۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو دار العلوم دیوبند کے بانی ہیں، انہیں فقہی مسائل میں خنزیر کے بارے میں تحقیق کرنی تھی کہ اس کی نوعیت کیا ہے؟ ایک مسئلہ میں خنزیر کا ذکر کیا، تو اس کی تحقیق کرنی تھی۔ اس کی تحقیق بھنگی سے زیادہ کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتی۔ وہی خنزیر پالتے ہیں، تو حضرتؒ کے گھر کا بھنگی آیا۔ اس سے پوچھا کہ فلاں بات خنزیر کے بارے کس طرح سے ہے؟ اس نے کہا صاحب! یہ ہے۔ اس وقت سے یہ کیفیت تھی کہ جب وہ آتا اگر بیٹھے ہوئے ہوتے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس کو ہدایا بھیجتے تھے۔ اس کی خدمت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ”فلاں مسئلے کی تحقیق مجھے اس بھنگی سے ہوئی“۔ بمنزلہ استاذ کے بن گیا عمر بھر اس کا ادب کیا۔ تو اسلام نے استاذ کی عظمت یہ بتلائی ہے کہ اگر ایک حرف سکھلا دے، تمہیں آنکھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔ علمی احسان اس واسطے کہ اگر کوئی کسی کو چار پیسے دیتا ہے تو آدمی اس کا احسان مانتا ہے۔ اولاد کو آدمی وصیت کر جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے میری خدمت کی تھی۔ تم اس کے نیاز مند رہنا۔ چار پیسے کا احسان مانتا ہے، تو علم کا ایک مسئلہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، علم اللہ کی صفت ہے۔ اس سے زیادہ باعظمت چیز کونسی ہو سکتی ہے؟ تو کوئی کسی کو علم سکھلائے اور اس کی عظمت ضروری نہ ہو؟ ایسا محسن کوئی نہیں۔ جو آدمی کو ایک مسئلہ بھی بتلا دے۔ اس نے دنیا و مافیہا اور آخرت کا راستہ درست کر دیا۔ پیسے سے اگر کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام نکلے گا تو دنیا کا نکلے گا۔ لیکن علم سے آخرت میں، قبر و برزخ میں، حشر میں اور دنیا میں بھی کام نکلے گا۔ ہر جگہ علم کا سکہ چلتا ہے۔ وہاں آپ کے یہ سونے چاندی کے سکے نہیں چلیں گے مگر مسائل کا سکہ چلے گا۔ حتی کہ جنت میں بھی جا کر مسائل کی ضرورت رہے گی، وہاں بھی آپ علم کے محتاج ہوں گے۔

تو جو شخص آپ کے ہاتھ میں علم کا سکہ دے۔ اس سے بڑھ کر کون محسن ہے؟ جب چار پیسے کا احسان کرنے والے کا آپ احسان مانتے ہیں۔ تو ایک مسئلہ بتلانے والے کا احسان کیوں نہیں مانیں گے؟ اس نے آپ کو زیادہ سے زیادہ بڑی دولت دی ہے۔ علم کی دولت چاندی اور سونے کی دولت سے بدرجہا بہتر ہے۔

علم اور مال میں فرق حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم اور مال میں فرق ہے، وہ یہ کہ مال جتنا خرچ کرو، گھٹتا ہے، علم کو جتنا خرچ کرو، بڑھتا ہے۔ اگر علم کہیں گھٹ جایا کرتا، تو جو حافظ قرآن شریف پڑھانے بیٹھتا، تو جتنی آیتیں بچوں کو سکھلایا کرتا، خود بھول جایا کرتا۔ اس کا علم دوسرے کے پاس منتقل ہو جایا کرتا۔ حالانکہ جتنا پڑھاتا ہے استاذ پرانا ہو جاتا ہے۔ اس کا علم ترقی کر جاتا ہے۔ غرض علم کو جتنا خرچ کرو، بڑھتا ہے، دولت کو جتنا خرچ کرو، گھٹتی ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مال کی حفاظت مالک کو کرنی پڑتی ہے۔ چار پیسے ہوں گے تو آپ کو فکر ہے کہیں چور نہ لے جائے۔ تالا لگاؤں، تجوری میں رکھوں، گھر کی کوٹھڑی میں رکھوں اور سو رہے ہیں تو فکر ہے کہ رات کو کوئی چور نہ آئے۔ تو آپ کو خود مال کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور علم عالم کی حفاظت کرتا ہے، عالم کو ضرورت نہیں۔ علم خود بتلائے گا کہ یہ خطرے کا راستہ ہے، یہ نجات کا۔ تو علم اپنے عالم کی خود حفاظت کرتا ہے مگر مال اپنے مالک کی حفاظت نہیں کرتا، مالک کو حفاظت کرنی پڑتی ہے۔

اب ظاہر بات ہے کہ مال آئے گا تو سو مصیبتیں ساتھ لے کر آئے گا کہ حفاظت کرو چور سے اور اس سے وغیرہ وغیرہ اور علم آئے گا تو وہ احسان جتلاتا ہوا آئے گا کہ میں تیرا محافظ ہوں، میں تیری خدمت کروں گا، میں تجھے نجات کا راستہ بتلاؤں گا۔ تو علم جیسی چیز اگر کوئی سکھلائے تو وہ سب سے بڑا محسن ہے کہ اس نے دنیا اور آخرت کا راستہ کھول دیا۔

اس سے تو آدمی بہکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ وہاں بھی علم ہی کام آتا ہے۔ اگر علم کے مطابق کمائے اور علم کے مطابق خرچ کرے تو دولت کام دے گی اور اگر جاہلانہ طریق سے کمائے، حلال و حرام کا امتیاز نہ کرے اور خرچ کرنے میں حلال و حرام کا امتیاز نہ ہو، تو دولت مصیبت بن جاتی ہے۔

اب تک تو ہم عقیدے سے سمجھتے تھے کہ بھئی دولت کو بے جا طریق سے کماؤ تو مصیبت بن جاتی ہے، مگر آج تو دنیا میں مشاہدہ ہو رہا ہے۔ یعنی جن کے پاس ناجائز طریق سے کمائی ہوئی دولت تھی، آج وہ مصیبت میں مبتلا ہیں۔ وہ کہتے ہیں خدا کے لئے دولت نکلے، جان تو ہماری بچ جائے۔ کوئی پہاڑوں میں چھپا رہا ہے، کوئی سمندر میں ڈال رہا ہے۔ مگر گورنمنٹ ہے کہ کھوج لگا کر ان چیزوں کو نکال رہی ہے۔ تو مالداروں پر ایک عجیب مصیبت گزر رہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اللہ میاں کا فضل ہے کہ اس وقت ہم جیسے لوگ جو یہ کہا کرتے تھے کہ بھئی تھوڑے پیسے کافی ہیں۔ جو غریب یا زاہد تھے، آج انہیں امراء سے کہنے کا موقع ہے کہ بھئی آرام میں تو ہم ہیں۔ تمہاری دولت نے تمہیں فائدہ نہیں دیا۔ ہماری غربت نے ہمیں فائدہ دیا۔

کس نیاید بخانہ درویش — کہ خراج زمین و باغ بدہ

درویش کے گھر گورنمنٹ کا کوئی آدمی نہیں آئے گا کہ خراج اور ٹیکس ادا کرو۔ وہ کہے گا کہ میرے ہاتھ پلے ہی کچھ نہیں۔ میں کہاں سے ادا کروں۔ وہ آرام سے ہے اور جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، وہ مصیبت میں مبتلا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ

ماہیچ نداریم غم ہیچ نداریم — دستار نداریم، غم پیچ نداریم

ہم کچھ نہیں رکھتے، اس لئے غم بھی کچھ نہیں رکھتے۔ ہم دستار بھی نہیں رکھتے، پیچ کا غم کہاں سے کرتے؟ جس پہ دستار ہوگی وہ پیچ وخم کی فکر کرے۔ یہاں تو دستار ہی ندارد ہے **جامہ ندارم، دامن از کجا آرم** یہاں کپڑا ہی ندارد ہے تو کلی اور دامن کی فکر کیوں ہوگی؟

بہر حال جو لوگ آج کم یعنی بقدر ضرورت رکھتے ہیں، وہ آرام میں ہیں اور جو زیادہ رکھتے ہیں، وہ مصیبت میں مبتلا ہیں۔ مگر کیوں مبتلا ہیں؟ محض زیادہ رکھنے کی وجہ سے نہیں۔ اسلام نے یہ نہیں کہا کہ تم مفلس اور قلاش بنو۔ ناجائز طریق پر زیادہ رکھتے ہو، اس لئے پریشان ہو۔ جس کے پاس جائز طریق سے ہے، وہ آج بھی پریشان نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا جائز راستے پر چلنا ہمیشہ راحت کا باعث ہوتا ہے۔ ناجائز راستہ پر چلنا مصیبت کا موجب ہوتا ہے۔ خواہ وہ قانوناً ناجائز ہو یا شرعاً ناجائز ہو؟۔ جب کسی ناجائز چیز کا آدمی ارتکاب کرے گا، مصیبت میں مبتلا ہوگا اور جائز و ناجائز کیسے معلوم ہوگا؟ علم و تعلیم سے۔ قانون ہی یہ بتلائے گا کہ یہ چیز جائز ہے یہ ناجائز ہے۔ اس طرح مت کماؤ، قانون اجازت نہیں دیتا۔ اس طرح کماؤ قانون اجازت دیتا ہے۔ تو اس بات کو علماء بتلائیں گے کہ اس طرح کمانا حلال، اس طرح کمانا حرام۔ اس طرح دولت رکھنا جائز اور اس طرح دولت رکھنا ناجائز ہے۔ تو دونوں قوانین کے وکلاء اور علماء ہیں۔ وہ سمجھائیں گے، وہی بتلائیں گے اور جب آدمی سمجھ جائے گا اور اس قانون کے مطابق چلے گا، اسے کوئی فکر نہیں۔ اس پر نہ گورنمنٹ اعتراض کرے گی نہ اللہ میاں اعتراض کریں گے۔ معلوم ہوا جان بچانے کا ذریعہ علم ہی ہے، دولت نہیں ہے۔ دولت میں جب علم کا دخل آئے گا تو وہ بچانے کی ذمہ دار ہوگی اور اگر جاہلانہ طریق پر ناجائز کمائی ہو تو وہ مصیبت بن جائے گی تو اصل میں نجات دینے والی چیز علم ہے۔

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **انما بعثت معلما** میں تمہیں علم دینے کے لئے آیا ہوں۔ کیونکہ علم ہی نجات دینے والا ہے۔ دنیا میں اگر تمہیں علم آ گیا اور عقل نے بتلایا کہ یہ راستہ ٹھیک ہے اور یہ غلط ہے اور تم اس کے اوپر چلے تو کبھی تمہارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوپر آفت نہیں ہے۔ نہ دنیا میں آفت آئے گی نہ قبر و آخرت میں۔ غرض نبی کریم ﷺ تعلیم دینے کے لئے تشریف لائے۔ آپؐ نے علم پہنچایا اور علم ہی وہ ہے جس سے دولت کی اصلاح ہوتی ہے، نفس کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔ آبرو بھی محفوظ رہتی ہے اور علم نہ ہو تو دولت اور نفس بھی کارآمد نہیں۔

جذبات نفسانی بلا علم اگر آپ نفسانی جذبات کو بلا علم کے استعمال کریں گے، مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔ آپ بازار میں جارہے ہیں اور حلوائی کی دکان پر نہایت عمدہ تازہ مٹھائیاں بنی رکھی ہیں۔ جذبات کا تقاضا یہ ہے کہ میں ہاتھ مارلوں، منہ مارلوں۔ اگر علم ہے تو وہ بتلائے گا کہ غیر کے مال پر ہاتھ ڈالنا جائز نہیں۔ جب تک اس کی رضامندی نہ ہو۔ لیکن اگر علم نہیں جذبات ہی جذبات ہیں، تو یا آدمی چوری کرے گا یا جھپٹا مار کر وہاں سے بھاگے گا اور دوکاندار اس کے پیچھے گالیاں دیتا ہوا اور وہ آگے آگے اس کے ہاتھ میں چار لڈو ہیں۔ دو منہ میں، دو جیب میں رکھ کر بھاگتا چلا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ دکاندار نے آکر گردن ناپی اور فوراً پولیس آگئی معلوم ہوا کہ اس نے ڈکیتی کی اور یہ دکان کے اوپر سے سامان اٹھا کر بھاگا تھا۔ پولیس نے فوراً چالان کیا۔ مقدمہ قائم ہوا، جو ال رہا ہے وہ تھو تھو کر رہا ہے کہ بڑا نالائق بڑا نابکار آدمی تھا۔

تو یہ جتنی ذلتیں اٹھائیں کہ گورنمنٹ الگ ناراض، پولیس الگ ناخوش، پبلک الگ ناخوش، دکان والے الگ ناخوش اور گالیاں پڑ رہی ہیں۔ یہ ذلت و رسوائی کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ نفسانی جذبات پر عمل کیا تھا اور علم آپ کو تھا نہیں۔ جاہلانہ طریق پر ایک چیز کو لے گئے۔ لیکن اگر علم کے ساتھ اس سے بھاؤ طے کرتے کہ بھائی کتنے میں دیتے ہو؟ وہ قیمت کہتا۔ قانونی طور پر آپ اسے کہتے کہ بھائی! اتنی نہیں، اتنی قیمت لے لو۔ پھر آپ لیتے تو نہ دکاندار برا کہتا نہ پولیس برا کہتی نہ گورنمنٹ ناخوش ہوتی۔ کوئی آپ کو مشکل نہ ہوتی، پریشانی نہ ہوتی۔ معلوم ہوا محض نفسانی جذبات آدمی کو مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں۔ لیکن اگر صحیح علم کے ساتھ صحیح مصرف میں استعمال کیا جائے، یہ جذبات کارآمد ہوجاتے ہیں۔ تو اصل میں علم نجات دینے والا ٹھہرا۔

اسی واسطے حضور ﷺ نے حدیث میں ارشاد فرمایا: **ان اعدی عدوک الذی بین جنبیه.**

سب سے بڑا عیار دشمن وہ ہے، جو تمہارے دو پہلوؤں کے بیچ میں بیٹھا ہوا ہے۔ جو تمہارا نفس ہے۔ اس کو اگر قابو کرنے میں تم کامیاب ہوگئے ہو تو پھر کوئی مصیبت نہیں۔ لیکن اگر وہ آزاد ہے، تو ہر جگہ وہ مصیبت میں مبتلا کرے گا۔

اس واسطے کہ انسان کا نفس بالطبع جاہل ہے۔ پیدائشی طور پر جاہل ہے اگر آدمی علم حاصل نہ کرے، جاہل ہی پیدا ہوا ہو تو جاہل ہی رہے گا اور جاہل ہے تو جاہلانہ حرکات ہی کرے گا، وہ عالمانہ حرکات کہاں سے کرے گا؟ جب جاہلانہ حرکات کرے گا اور اپنے جذبات پر چلے گا، جبھی ذلت و رسوائی آئے گی۔ تو جس کے ذریعے سے رسوائی پہنچے، وہ دوست ہوتا ہے یا دشمن ہوتا ہے؟ سب سے بڑا دشمن وہی ہے جس کے ذریعے سے آدمی ذلیل ہو، جس کے ذریعے سے مصائب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مبتلا ہو۔ اس لئے اگر نفس انسانی کو عالم نہ بنایا جائے، اس کے جذبات کو ''خودرو'' چھوڑ دیا جائے، تو وہ ہمیشہ گڑھے اور کھائی میں ڈالے گا۔ آدمی مصیبت میں مبتلا ہوگا۔

نفس انسانی کی مثال اس واسطے نفس انسانی کی مثال محققین سرکش گھوڑے سے دیتے ہیں کہ جب سرکش گھوڑے پر سوار ہو تو لگام سنبھال کر بیٹھنا چاہئے۔ اگر لگام ڈھیلی چھوڑ دی اور گھوڑا اچھل پڑا۔ معلوم نہیں کس کنویں میں لے جاکے گرائے؟ پھر جان بچانی مشکل ہو جائے۔ تو انسان کا نفس بھی جب تک جاہل ہے، اس وقت تک سرکش ہے۔ اس کی لگام سہارنی چاہئے۔ مگر لگام وہی سہارے گا جس کو یہ پتہ ہو کہ لگام کس طرح پکڑنا چاہئے؟ کس طرح سہارنا چاہئے۔ پھر آخر میں علم ہی آجاتا ہے۔ تو بغیر علم کے نفس سے کام نہیں لیا جاسکتا۔

اس واسطے تمام انسانوں کے نفس گویا سرکش گھوڑوں کی طرح ہیں۔ جب تک ان کے منہ میں لگام نہ ڈالی جائے آدمی آدمی نہیں بنتا۔ بس وہی لگام شریعت ہے، آدمی کو سہار کر چلاتی ہے۔ اگر وہ لگام نکال دی جائے اور آدمی اس نفس کے اوپر سوار ہو جائے، تو یہ کسی کنویں اور ذلت کے گڑھے میں لے جاکے گرائے گا۔ تو علم انسان کو عزت کی راہ چلاتا ہے اور جہالت ذلت کی راہ پر چلاتی ہے۔ علم وہ دولت ہے جو بڑھتی دولت ہے، اور جہل و نفسانی جذبات یہ وہ ہیں، جو انسان کو گھاؤ کی طرف لے جاتے ہیں۔

اس لئے انبیاء علیہم السلام سے زیادہ محسن کوئی نہیں ہے کہ وہ دنیا کو علم سکھلانے کے لئے آتے ہیں اور جہالت مٹانے کے لئے آتے ہیں۔

علوم دنیوی کا نفع علم دنیا میں بہت سے ہیں اور ہر علم کی انسان کو ضرورت پڑتی ہے۔ جوتا گانٹھنے کا علم، اس کی بھی ضرورت ہے، کپڑے سینے اور پہننے کا علم ہے، اس کی بھی ضرورت ہے۔ جب تک انسان دنیا میں موجود ہے، اسے کپڑوں کی بھی حاجت ہے، اسے جوتے کی بھی ضرورت ہے۔ جب آدمی دنیا میں رہے گا، کاروبار کرے گا، اسے سواری کی بھی ضرورت ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی بھی ضرورت ہے۔ تجارت کا مال و اسباب لے جانے کی بھی ضرورت ہے، اس کے لئے ریل بھی چاہئے۔ ہوائی جہاز بھی چاہئے تو ایسی چیزوں کا علم یعنی سائنس کا علم وہ بھی کارآمد ہے، اس کے بغیر گاڑی نہیں چلتی۔

اسی طرح سے ایک انسان کو صنعت و حرفت کی بھی ضرورت ہے۔ اگر برتن نہ ہوں تو کھائیں کیسے؟ اگر کرسی نہ ہو تو بیٹھیں کیسے؟ اگر چارپائی نہ ہو تو لیٹیں کیسے؟ غرض ان تمام علوم کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ سارے علوم کہاں کارآمد ہیں؟ موت سے پہلے پہلے کارآمد ہیں اور جب انتقال ہوا، اب نہ ہوائی جہاز کارآمد ہے نہ چارپائی نہ کرسی، کوئی چیز بھی کام کی نہیں رہی۔ بیکار ہیں، اس لئے کہ ان تمام چیزوں کا نفع انسان کے بدن کو پہنچتا ہے۔ اگر ہوائی جہاز منتقل کرے گا۔ تو آپ کے بدن ہی کو منتقل کرے گا، وہ یہاں سے کراچی پہنچا دے گا۔ روح کو ہوائی جہاز کی حاجت نہیں ہے۔ اگر آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روح کو آزاد چھوڑ دیں وہ پل بھر میں عرش پر پہنچ جائے گی۔ یہ بدن کی مصیبت ہے جس کی وجہ سے یہ ساری چیزیں ایجاد کرنی پڑتی ہیں۔ جوتا ہے تو آپ کے بدن کی حفاظت کرے گا، کپڑا ہے تو آپ کے بدن کی حفاظت کرے گا۔ غرض یہ چیزیں اس وقت تک کارآمد ہوں گی جب تک بدن موجود ہے اور جب روح نکل گئی، بدن لاشہ بن گیا۔ اب یہ ساری چیزیں آپ کے حق میں بےکار ہیں۔

آپ ہوائی جہاز سے اڑ کر لندن' کراچی جا سکتے ہیں۔ لیکن ہوائی جہاز میں بیٹھ کر آپ جنت میں پہنچ جائیں یا عرش عظیم کی سیر کر لیں، آسمانوں کی سیر کر لیں۔ یہ نہیں ہو سکے گا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ یہ تمام چیزیں کارآمد اور نافع ہیں، مگر صرف بدن کی حد تک نافع ہیں۔ روح کو نفع پہنچانے والی نہیں ہیں۔ روح کے اندر پاکیزہ اخلاق پیدا کر دیں۔ یہ ہوائی جہاز کا کام ہی نہیں۔ آپ عمدہ سے عمدہ کپڑا پہن لیں، وہ کپڑا آپ میں صبر، علم اور حیاء پیدا کر دے۔ یہ کپڑے کا کام نہیں ہے۔ آپ اعلیٰ طریق پر پگڑی باندھ لیں اور اس کو خوب نمایاں کریں کہ آپ بڑے باوقار ہیں۔ لیکن قلب میں وقار پیدا نہیں ہوگا۔ پگڑی کا یہ کام نہیں کہ آپ کے قلب میں وقار بھی پیدا کر دے۔ یا پگڑی، جوتا بنانے والا آ کر آپ کے اخلاق کی اصلاح کر دے۔ یہ نہیں ہو سکتا، اس کا کام جوتا بنانے کا ہے۔ جوتا بنانے سے اخلاق پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور آدمی اخلاق کا نام ہے تو آخر اخلاق کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟ ان تمام چیزوں سے بدن کی اصلاح ہو گئی، مگر روح کی اصلاح کیسے ہو؟

تو جو چیز روح کی اصلاح کرنے والی ہے، وہ انبیاء علیہم السلام کا علم ہے جو اللہ کی طرف سے آتا ہے، جو اخلاق کی حدود بتلاتا ہے، اخلاقی قدریں سکھلاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کی تعلیمات کے بغیر آدمی، آدمی نہیں بن سکتا۔ آدمی حیوان بن جائے، بکری بن جائے، کوا بن جائے، یہ ممکن ہے۔ لیکن انسان بن جائے، یہ بغیر تعلیم انبیاء کے ممکن نہیں۔

مثلاً آپ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر اڑ گئے اور سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ گئے۔ تو کوے، چڑیا اور کرگس بھی تو اڑتے ہیں۔ آپ نے کونسا کام کیا؟ زیادہ سے زیادہ آپ نے کرگس کے ساتھ مشابہت پیدا کر لی۔ یہ کوئی انسانی ترقی نہ ہوئی، حیوانیت کی ترقی ہوئی۔ آپ نے اعلیٰ ترین غذائیں کھا کر بدن کو پال لیا۔ تو کتے بلی بھی بدن کو پال لیتے ہیں۔ شیر بھیڑیئے بھی پال لیتے ہیں۔ یہ کونسے کمال کی بات ہوئی؟ زیادہ سے زیادہ آپ نے ذرا عمدہ غذا کھالی اور کوا دیسی غذا نہیں کھا سکا، مگر عمدہ اور لذیذ تو آپ جب کہیں، جب کوا للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے کہ اوہو! انسان تو پلاؤ کھا رہا ہے اور میں ہڈیاں کھا رہا ہوں۔ اس کو آپ کی غذا سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی آپ کو اس کی غذا سے ہے۔ ہر ایک اپنے مناسب حال غذا کھا رہا ہے۔ آپ اپنے مناسب کھا رہے ہیں۔ تو کھانے میں دونوں برابر اور شریک ہیں۔ اچھی اور بری غذا، یہ خصوصیات کی بات ہے۔ لیکن غذا کھانا یہ حیوانیت ہے۔ اس لئے آپ اعلیٰ سے اعلیٰ چیز بھی کھالیں گے، جب بھی آپ حیوان رہیں گے۔ عمدہ سے عمدہ سرائے میں آپ منتقل ہو جائیں۔ بدن منتقل ہوگا۔ وہ ایک مادی چیز ہوئی۔ لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاق درست ہو جائیں، ان میں سے کوئی چیز درست نہیں کرے گا؟۔

علم شرائع اخلاق کی درستگی کے لئے تو اللہ نے انبیاء علیہم السلام ہی بھیجے ہیں کہ وہ آدمیوں کو آدمی بنائیں۔ تو سائنس اور فلسفہ اچھے اچھے سامان پیدا کرسکتا ہے۔ مگر اچھے انسان نہیں پیدا کرسکتا۔ اچھے انسان پیدا کرنے والی چیز انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ہے۔ تو علم سب نافع ہیں۔ مگر ایک نافع مطلق ہے، جو ہر جگہ نفع دے۔ ایک نافع خاص ہے، جو یہاں تو نفع دے، وہاں نفع نہ دے۔ مادی علوم نافع ہیں، مضر نہیں۔ لیکن ایک خاص حد تک نافع ہیں کہ اس دنیا میں نفع دیں گے یا بدن کی حد تک نفع دیں گے۔ آگے نفع نہیں دیں گے۔ لیکن دین کا علم یہاں بھی نفع دے گا، اور آخرت میں بھی نفع دے گا۔ اس لئے کہ اس کا تعلق نفس انسانی سے ہے۔ نفس ہر جگہ قائم ہے۔ یہاں بھی نفس موجود، برزخ و آخرت میں بھی موجود، ہر جگہ نفس ہے، تو اسے ہر جگہ علم کی ضرورت ہے۔ اس لئے جو علم سارے جہانوں میں کارآمد ہو۔ وہ انبیاء علیہم السلام کا علم ہے۔ وہ دین اور شرائع کا علم ہے۔ جو حلال وحرام بتلائے۔ اس علم کے سکھلانے کے لئے انبیاء علیہم السلام آئے ہیں۔

باقی جو صنعت وحرفت کا علم ہے یا مادیات کا علم ہے۔ یہ انبیاءؑ کے آنے پر موقوف نہیں ہے۔ اگر ایک بھی پیغمبر نہ آتا تو آپ کھیتی کرسکتے تھے۔ مکان بنا سکتے تھے، جیسا بھی بناتے۔ آخر یہ جانور جو گھونسلہ بناتے ہیں کیا ان کو کسی نبی نے آکر تعلیم دی ہے؟ یہ جو شیر، بھیڑیئے اپنے بھٹ بناتے ہیں، تو کیا کسی اسکول میں پڑھ کر آتے ہیں کہ بھٹ یوں بنانا چاہئے؟ سانپ جو اپنی بانبی بناتا ہے تو کیا اس کو کسی مدرسہ میں تعلیم دی تھی کہ یوں بنانی چاہئے؟ اس کی طبیعت میں بھی راہنمائی ہے کہ وہ اپنے مناسب حال مکان بنالے۔ اگر پیغمبر نہ آئیں وہ پھر بھی مکان بنا سکتا تھا۔ یہ طبعی علوم ہیں اور علوم طبعیہ کے اندر نبوت کی تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انبیاء علیہم السلام شریعت کی تعلیم دینے کے لئے آئے ہیں۔ شریعت انسان کی طبیعت سے نہیں ابھر سکتی۔ اس لئے کہ شریعت کے معنی ہیں، ''اللہ کی رضا اور نارضا کا پتہ چلانا''۔ کہ اللہ اس سے خوش ہیں، اس سے ناخوش ہیں اور کسی کی خوشی و ناخوشی اس کے بتلائے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی۔

دو حقیقی بھائی ہوں، ایک ماں کے پیٹ میں دونوں نے پاؤں پھیلائے ہوں اور دونوں پاس بیٹھ جائیں بلکہ ایک دوسرے کے سینے سے سینہ ملا کر بیٹھ جائیں۔ ایک کے دل میں چھپی ہوئی چیز دوسرے کے دل میں جائے گی؟ جب تک دوسرا خود ظاہر نہ کرے یا بتلائے تو جب دو حقیقی بھائی، ایک نوع کے دو فرد، ایک دوسرے کے باطن کا پتہ نہیں چلا سکتے، جب تک کہ دوسرا اظہار نہ کرے۔ تو اللہ اور بندے میں تو بعید ہے۔ وہ نور مطلق یہ ظلمت محض، یہ اللہ کے اندر چھپی ہوئی مرضی اور نامرضی کا کیسے پتہ چلا سکتا ہے؟ جب تک کہ حق تعالیٰ خود نہ ظاہر فرمادیں۔

قانون شریعت انسانوں تک کیسے پہنچے؟ اور خود ظاہر فرمانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ میاں خود گھر گھر اعلان کریں کہ دیکھو اس سے میں خوش ہوں یہ کرو۔ اس سے ناخوش ہوں یہ نہ کرو۔ ظاہر بات ہے کہ یہ ان کی شان سے بعید ہے۔ ایک معمولی بادشاہ ایک حاکم، ایک معمولی ضلع کا کلکٹر ... کوئی خصوصیت ہم سے زائد نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، اس کو تو عار آتی ہے کہ گورنمنٹ کا کلکٹر خود گھر گھر کہتا پھرے کہ یہ میرا حکم، یہ میرا قانون ہے۔ وہ اپنے نائبین کو تحصیلداروں اور نائب تحصیلداروں کو حکم دیتا ہے۔ وہ اپنے ماتحتوں کو حکم دیتے ہیں کہ منادی کرو۔ اس طرح سے قانون عام ہو جاتا ہے۔

اور جو احکم الحاکمین اور بادشاہوں کا بادشاہ ہو، اس کی شان کے ذرا مناسب نہیں کہ وہ گھر گھر کہتا پھرے کہ یہ میرا قانون ہے۔ وہ اپنے نائبین کو قانون بتلائے گا، جو اس کے اپنے مقربان بارگاہ ہوں، وہ اپنے ماتحتوں کو حکم دیں گے۔ پھر وہ اپنے ماتحتوں کو حکم دیں گے، قانون عام ہو جائے گا۔

انبیاء علیہم السلام نائبین خداوندی ہیں، جو مقربان بارگاہ ہیں۔ اخلاق میں اللہ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ قرب کی اپنے اندر استعداد اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ بالطبع مقدس اور برگزیدہ پیدا کئے جاتے ہیں۔ ان کی فطرتوں میں پارسائی اور پاکیزگی بھری ہوئی ہوتی ہے۔ تو پاک افراد ہیں۔ اس لئے اللہ جو پاک ذات ہے، اس سے قرب کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان پر اپنا الہام فرماتے ہیں۔ ان پر اپنا علم نازل فرماتے ہیں، وہ اپنے نائبین تک پہنچاتے ہیں پھر وہ اپنے نائبین کو، وہ اپنے ماتحتوں کو۔ اس طرح سے علم پھیل جاتا ہے۔

تو دین کا علم انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے اس لئے آیا کہ انبیاء علیہم السلام ہی مقرب تھے۔ وہی بارگاہ حق سے مناسبت رکھتے تھے۔ ان پر علم اتارا گیا، ان کے ذریعے سے بالواسطہ ہم تک علم پہنچا۔

ضرورت مذہب بہر حال اس علم کا حاصل کیا جانا، یہ ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر آدمی کی نہ روحانیت جاگ سکتی ہے نہ روحانی مراتب طے ہو سکتے ہیں اور نہ اخلاق درست ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اخلاق کا سرچشمہ حق تعالیٰ کی ذات ہے اور جب تک مذہب و دین نہ ہو، آدمی کے اخلاق کبھی تربیت نہیں پا سکتے۔ مادیات سے تربیت نہیں ہوتی۔ اس واسطے میں نے یہ حدیث پڑھی تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: انما بعثت معلما. میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں تا کہ دنیا کو جہالت سے نجات دلاؤں اور لوگ علم میں آئیں۔ اس کے بغیر انسان کی زندگی نہیں سنور سکتی۔

آج دنیا میں جو دین اور مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلے ہوئے ہیں، یہ اصل میں سب جہالت کے کرشمے ہیں۔ جب آپ کے اندر علم نہ ہو، جہالت ہو، جس کا جی چاہے، آپ کو بہکا دے، جو چاہے کہہ مارے۔ آپ مجبور ہیں، اس لئے کہ خود اپنے اندر کچھ نہیں رکھتے۔ تو ضرورت اس کی ہے کہ علم حاصل کر کے آپ آگے بڑھیں تا کہ جائز و ناجائز عقیدے کا اچھا برا ہونا آپ کے اندر آ جائے۔ اس واسطے میں نے یہ حدیث پڑھی تھی کہ سب سے ضروری چیز تعلیم ہے یہ اگر ہے تو سب چیزیں درست ہیں۔ تعلیم نہیں جہالت ہے تو سب چیزیں خراب ہوں گی۔

وقت چونکہ ختم ہو چکا ہے۔ اس واسطے میں ختم کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ ہم اور آپ سب کو توفیق علم و عمل عطاء فرمائے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

© rasailojaraid.com